اصل تصنیف حضرت شاہ ولی اللہؒ
املاء مولانا عبید اللہ سندھیؒ

ترجمہ خیر کثیر

چوتھا خزانہ

نشاتِ عمومیہ اور نشاتِ کمالیہ کے کلی طور پر ہونیکے بیان میں

عام اہل نظر نے مطلق علم کو چار قسم میں منحصر مان لیا ہے۔ ۱۔ حواسِ خمسہ میں سے کسی ایک حس کے ذریعہ ایک چیز کو محسوس کرنا۔ اس کا مرکز لطیفہ قالبیہ ہے[۱]

۲۔ تخیّل، وہ لطیفہ خیالیہ سے ہے اور اس کا کام ہے ایسی چیز کی طرف متوجہ ہونا جو رنگ دار ہو، شکل رکھتی ہو اور حواس سے غائب ہو۔

۳۔ تَوَہُّم اور اس کا مخزن لطیفہ واہمہ ہے اور اس کا کام ہے ان جزئی معانی کو سمجھنا جو محسوسات کا لباس پہن لیتی ہیں، ان کا محفوظ رکھنا اور ان کا خزانہ بنانا۔

۴۔ تعقّل اور اس کا مخزن لطیفہ نسمیہ ہے۔ اس کا کام ہے کلیات طبیعہ کا ادراک کرنا اور امورِ مجردہ کا ادراک کرنا۔ ہم اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ یہ قسم تعقل کی نفس ناطقہ کے مخزن سے نکلتی ہے بلکہ یہ لطیفہ ادراکیہ سے نکلتی ہے جو نفس ناطقہ کی خلیفہ ہے عالم تحیز میں اور سب جسمانیات سے زیادہ قریب ہے نفس ناطقہ کی طرف۔ اور ہمارے اس

---

[۱] امام ربانیؒ نے اس بدن کو بھی لطائف میں شمار کیا ہے اور چار عناصر اس کے تحلیلی لطائف ہیں تو یہاں شاہ صاحبؒ نے امام ربانی کی اصطلاح بیان کی ہے اور لطیفہ قالبیہ کہہ دیا ہے۔ ۱۲ منہ

دعویٰ کی یہ دلیل ہے کہ اس معنی کا تعقل کبھی جھوٹا ہوتا ہے اور مجردات میں سے کوئی چیز جھوٹی نہیں ہوتی۔ ؎

یہ چاروں قسم کے ادراک عام اہل علم کے نزدیک بدن کے ایک ایک حصہ میں مخصوص ہیں۔ لیکن ہماری تحقیق میں یہ ایک لباس ہے جو پورا ڈھانپ لینے والا ہے۔ سارے نفس ناطقہ کو۔ پس ضرور ہے کہ اس کا اثر سارے بدن میں موجود ہو۔ اور اس پر ہماری دلیل یہ ہے کہ طبیعت کی قوتیں خیال اور وہم سے متاثر ہوتی ہیں جیسے کہ غضب میں رضا میں، حُبّ میں فزع میں۔ وغیرہ۔ اس لیئے امام اہل السنۃ (شیخ ابوالحسن اشعریؒ) نے ان ادراکات کو بدن کے کسی مکان سے مخصوص ہونے کا انکار کر دیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ان اہل نظر نے تو مدرکہ اور وہم اور تخیل کو قوت عاقلہ کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ اور ہم نے ان تمام قوتوں کو نفس ناطقہ کی قوتِ عاقلہ اور عاملہ پر پھیلا دیا ہے۔ دوسرا مسئلہ جس میں ہمارا اور اہل نظر کا اختلاف ہے کہ انھوں نے نفس مجردہ کو کلیات کا سمجھنے والا بتایا ہے اور ہمارے نزدیک نفس ناطقہ اپنے آپ کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا۔ اور اپنے آپ کو بھی علم حضوری کے طریقے پر جانتا ہے اور بس۔ لیکن وہ نفس ناطقہ (جو ظاہر ہے) تمام عقلی قوتوں کی اور تمام عملی قوتوں کی اصل ہے۔

اگر تو یہ چاہے کہ اس کا راز سمجھ لے تو تجھے معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب خلق کو پیدا کیا تو (مَاء) پانی پر کئی صورتوں کا افاضہ فرمایا۔ ان صورتوں میں سے ایک صورت نوعیہ تھی اور دوسری صورتِ شخصیہ، تو یہی صورت شخصیہ ہے جو صورتِ نوعیہ وغیرہ میں منطبع ہوئی جس کا نام ہٰذا الشخص ہے، اور یہ باقی رہتی ہے۔ جب سے انسان پیدا ہوا وہاں سے ازل تک اسی صورتِ شخصیہ کے لیے خلفاء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ

؎ حضرت مولانا شہیدؒ نے عبقات کے چوتھے اشارے کے پانچویں عبقہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ م

نے اس کی مدد کے لیے پیدا کیا ہے۔

ان خلفاء میں سے وہ بدن ہے جو عناصر سے پیدا ہوتا ہے محسوس طور پر۔ اور ان خلفاء میں سے وہ بدن ہے جو عناصر سے بنتا ہے لیکن غیر محسوس طور پر (یعنی نسمہ) یہی وہ چیز ہے جس پر شخص حالتِ حیات میں اولاً اعتماد کرتا ہے اور یہی وہ چیز ہے کہ جس پر تشخص حالتِ ممات میں کھڑا رہتا ہے۔ اس پر قائم ہونے کا سبب یہ ہے کہ اسے اس کا نیا بدن نہیں ملتا۔ تو یہ جان چکا ہے تو وہ ذاتی طور پر اپنے اعتماد کے لیے ایک چیز مانگتا ہے اور جو چیز اسے مل جاتی ہے اس سے وہ نہیں ہٹتا جب تک اس کا بدن اسے دوسری چیز نہ ملے۔ موت کے بعد چونکہ اسے کوئی دوسری چیز نہیں ملتی اس لیے تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ بدن جو غیر محسوس ہے بدن محسوس کے ساتھ متحد ہو کر ایک بن جاتا ہے، اور ان خلفاء میں سے ایک اعراض کا وہ مجموعہ ہے جس کے سبب سے بصر اس انسان کو بخصوصہ ادراک کرتی ہے۔

یہاں پر تین بدن ہوئے۔ ہر ایک ان میں سے ہر ہر منٹ میں بدلتا رہتا ہے اس بدن کے ساتھ جو اس کے مناسب پیدا ہو اور صورتِ شخصیہ جو ان بدنوں میں منطبع ہوئی وہ ایک ہی حالت پر قائم رہتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہیولیٰ ایک حال میں باقی رہتا ہے اور وہ ان صورتوں پر اعتماد کرتا ہے جو بدلتی رہتی ہیں۔

ان تینوں بدنوں میں سے کوئی چیز نہیں جاتی جب تک کہ اس کی مثل دوسری نہ آئے۔ اس کے باوجود صورتِ شخصیہ کا پہلا اعتماد اس بدن ہوائی پر ہوتا ہے جو غیر محسوس ہے، "اور یہ بدنِ غیر محسوس" توقف کرتا ہے اس بدن پر جو مجموعہ اعراض سے پیدا ہوا یا اس کو مستلزم ہے۔

یہ صورتِ شخصیہ یعنی غیر متبدلہ "النفس الناطقہ" ہے۔ یہ حقیقت میں پورے طور پر مجرد نہیں ہے لیکن ہم نے اس کو اس کتاب میں مجرد لکھا ہے تاکہ ان تینوں بدنوں سے ممتاز ہو جائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے، خَلَقْتُ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِاَلْفَیْ عَامٍ یعنی میں نے

ارواح کو اجساد سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ یہاں پر ارواح سے مراد "الاعیان الثابتہ" ہونا چاہیے۔ دو ہزار سال ایک مثال کے طور پر بعید زمانہ کی تصویر ہے (یعنی اعیانِ ثابتہ اجساد سے بہت زمانہ پہلے پیدا ہو چکے ہیں) اور کیا معلوم کہ ایسا بھی ہو کہ اعیانِ ثابتہ کے لیے ایک قسم کا (بسیط) مجرد تعین پیدا ہو چکا ہو۔ (اور یہ واقعہ اجساد سے ٹھیک دو ہزار سال پہلے ہو چکا ہو، واللہ اعلم) پس جب انسان مرجاتا ہے تو نفس بدن غیر محسوس کے ساتھ متعلق رہتا ہے اور اس سے چمٹ جاتا ہے۔ اس وقت نفسِ ناطقہ کے پاس کوئی ادراک نہیں ہوتا مگر مدرکہ باطنہ یعنی حسِ مشترک، وہم اور ادراک باطنہ کے حساب سے، اور جب قیامت قائم ہوگی تو نفسِ ناطقہ ابدانِ محسوسہ کے ساتھ متعلق ہو جائے گا۔ کون وفساد کے ایسے اسباب تیار کر دیں گے کہ نفس، بدنِ محسوس سے متعلق ہو جائے۔ اور جب حساب کا دن آئے گا تو رُوح کی قوت سے بھر دیا جائے گا تو رُوح کے صلب کے اندر سے اس بدن عنصری کی طرح کا ایک نیا بدن نکلے گا تو نفس، بدنِ عنصری کو چھوڑ دے گا۔ اور اس روحانی بدن کی وجہ سے پھر اس بدن کے ساتھ یا تو جنت میں چلا جائے گا یا دوزخ میں۔

نفسِ ناطقہ نے جو علوم سیکھے ہیں حقیقت میں وہ سب کے سب علومِ زمانی اور مکانی ہیں، اور ایسے ہی علمِ حضوری بھی۔ لیکن نفسِ ناطقہ اس پر قادر ہے کہ ممکن کو ممتنع بنا دے اور موجود کو معدوم کر دے اور اسی طرح مکانی چیز کو مجرد کر دے گا پس فلاسفہ کی تشویشات سے ڈرنا نہیں چاہیے۔

اور اس بدن غیر محسوس کی ادراک کا طریقہ تین قسموں پر ہے جیسے کہ ہم کہہ چکے ہیں اور اس کے عمل کا طریقہ کئی قسم پر ہے، پھر یہ غیر محسوس بدن نفسِ ناطقہ کو پورا ڈھانپنے والا ایک لباس ہوگا، کلّھا بکلّہ (یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہوں گے)۔

وُجودِ ذہنی وجود ذہنی کی نسبت جان لو کہ ہم نے اس کو تفتیش کی تو کچھ نہ پایا۔ جن چیزوں کو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ موجودِ ذہنی ہیں ان میں سے بعض چیزوں کو تو ہم نے

دیکھا کہ وہ ایک صورت موجودہ فی الخارج ہیں۔ نفسِ ناطقہ اپنی قوتِ مدرکہ کی راہ سے انھیں ادراک کرتا ہے جیسے صورت حیوانیہ اور صورتِ انسانیہ، اور ان میں سے بعض چیزیں سلبیات اور اضافیات ہیں۔ ان کے متعلق ہماری تحقیق یہ ہے کہ مثلاً ایک اسم لے لو "اعمیٰ" وہ زید کا نام ہے بعینہ۔ جب کہ ہم اس کو قوتِ مدرکہ سے ادراک کیا، ہماری قوتِ مُدرکہ اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کے ساتھ بھری ہوئی تھی۔ پھر اس اسم کو مسمّی سے قطع کر کے دیکھا جاتا ہے اور اس کو ایک صفت بنا لیتے ہیں اس کا نام ہے "العمی" تو یہاں اختلاف ادراک میں ہے مُدرِک میں نہیں۔ اور اسی طرح ہم کبھی زید کا ادراک کرتے ہیں کہ وہ ابن عمرو ہے، ہماری قوتِ مدرکہ اس کے باپ کی طرف اشارہ کرنے سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پھر ہم اس اسم کو مسمّی سے علیحدہ کر لیتے ہیں اور اسے بنوۃ کہنے لگتے ہیں۔

یہاں وہ بات یاد کرو جو بعض اصحابِ تحصیل نے تحقیق کی ہے کہ کلیات اور جزئیات میں اختلاف فی الحقیقۃ ادراک میں اختلاف ہے۔ مُدرِک دو نہیں ہیں۔

ان میں سے بعض صورتیں معدومات فی الخارج ہیں مثلاً الممتنع اس میں تحقیق یہ ہے کہ ادراک ایک نشأۃ واسعہ ہے۔ کوئی چیز نہیں جو موجود ہو یا مفروض ہو مگر اس (نشأۃ) میں اس کی ایک صورت ہوتی ہے یعنی اس کے مقابل میں ایک صورت عرضیہ ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان بدنوں کے لیے وہاں صورت علمیہ عرضیہ موجود ہیں۔ پس اگر معدوم ان صورتوں کے ذریعہ سے موجود ہو گئے تو ممتنع اور معدوم اور مجہول کی کیا شان ہے کہ اس کے حقائق نہ بدل جائیں۔

عالمِ اعلیٰ میں علم کی تحقیق عالمِ اعلیٰ میں تصدیق کے سوا کچھ نہیں ہے اور تصور اس عالمِ ادنیٰ کی پیدائش میں سے ہے۔ اس لیے کہ تصدیق ایک ٹھنڈا یقین ہے، اِذعان ہے جو مُفرد سے اس طرح لاحق ہوتی ہے جیسے کہ جُملہ کے ساتھ لاحق ہوتی ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس عالمِ اعلیٰ میں کوئی جُملہ نہیں ہے۔ صرف ایک مفرد ہوتا ہے جو محمول کے ساتھ خلط پیدا کر چکا ہے۔ گونگے حیوانات تصدیق نہیں رکھتے ان کے لیے فقط

ظنون اور شکوک ہیں۔ اور ایسے ہی بلید الطبع انسان۔ ان کے سوا باقی لوگوں میں ہر قسم کی چیز موجود ہے۔

یہ بات یہاں جاننے کے قابل ہے کہ عالم میں جس قدر متحیز چیزیں ہیں یا مجرد چیزیں ہیں بلکہ نفس الامر میں جو کچھ ہے ذاتِ الٰہی اور اس کے صفات ہیں۔ سب کے لیے ایک صورت ہے اس نشاۃ علمیہ کے ہر طبقہ میں جو اس کے ساتھ مخصوص ہے، ہر ایک صورت کے لیے اس میں سے دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت ایسی ہے کہ اس کے ذریعہ سے اعلیٰ حصہ کا مقابلہ کرتی ہے۔ اعلیٰ حصہ سے مراد ہے عقل تو ہر چیز اپنا حصہ جہتین (دو جہتوں) میں سے لیتی ہے۔

جو چیز مبادی کے ساتھ لاحق ہو چکی ہے انسلاخ اور فنا کے ذریعہ سے اس پر جہت عالی غالب رہتی ہے۔ مبادی سے مراد ہمارے یہاں اسمائے الٰہیہ ہیں۔ اور جو چیز متدنس ہے اس پر جہت سفلی غالب رہتی ہے۔

نفسِ رحمانی یا وجود منبسط کو لباسِ خاص میں تشخیص کرنے کے لیے انسان کے مزاج کو اس میں خاص دخل ہے اور ایسے ہی عادات کو بھی اس میں خاص دخل ہے۔ تو یہ چار امر (چیزیں) ہیں جن کو آپس میں ضرب کرنے سے بے انتہا اشخاص پیدا ہوتے ہیں۔ ضرب کی مختلف شکلیں پیدا کرنے کے لیے ایک کو شدت سے لے لو اور دوسرے کو ضعف سے لے لو۔

عالمِ صوت (آواز) کے عجائبات کو نہیں دیکھتے کہ ہر حیوان کے لیے ایک آواز خاص ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ صوت (آواز) اس حیوان کی اس عالم صوت میں ایک تمثال مانی جائے اور حیوان کی ہر حالت کے لیے اس کی فرحت، اس کا ڈر، اس کی بھوک، اس کی پیاس کے لیے اصوات (آواز) مخصوصہ ہیں۔ پھر ضروری ہے کہ یہ اصوات ان حالات کی تماثیل ہوں۔

اس کے بعد دیکھو کہ اوقات کے لیے آوازیں ہیں اور آرام اور غضب کے لیے آوازیں ہیں۔ پس یہ ان کے تماثیل ہوں گے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو الہام کیا

کہ اپنی اصوات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے، پھر اس نے اس کے کئی حصے بنائے جس سے حُرُوف پیدا ہوئے۔ پھر ان حروف کو اسماء اللہ الحسنیٰ کے مقابلہ میں رکھا جن کے ساتھ عالم کا نظام قائم ہے۔ پھر ہر ہر مظہر کے مقابلے میں ایک حرف سے تلفظ کیا، وہ رہا مظاہر کے مقابلے میں، اور دوسرا حرف ملایا تحصیل کے لیے اور تیسرا حرف ملایا تشخیص کے لیے تو ثلاثی مادے پیدا ہو گئے۔ یہ اصل لغت ہیں۔ معانی صوتیہ کے اعتبار میں مقدم مسموعات ہیں۔ پس اسی طرح حکایت آ گئی جس طرح سمع پر اس کا اثر ہوا۔ جیسے الضرب، القهقهه، پھر مبصرات کے لیے ملموسات کے لیے، مذوقات کے لیے متخیلات کے لیے، متوہمات کے لیے صوت پیدا کی گئی جو تشابہ رکھتی ہیں اس حس پر وقوع کو صوت کی سمع پر وقوع کے ساتھ واضع کے مزاج اور اس کے ادراکات کے حساب سے اصوات کی حکایت کرنے میں فصل واقع ہوا۔ عربی نے جب پتھر گرنے کی آواز کو نقل کیا تو اس نے کہا طق طق، اور جب فارسی نے اس آواز کو نقل کیا تو اس نے کہا دہ دہ، اسی طرح یہ قدسی اور دنسی امر ایک دوسرے کے مقابلے میں آ گئے اور معارف اور مزاجوں نے تشعب کو اختیار کیا تو بے انتہا لغت پیدا ہو گئے اور کچھ مدت کے بعد حقیقت مجاز بن گیا اور کنایہ نے صریح کا درجہ لے لیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ وضع کرنے کا یہ راستہ تھا۔ عاقل کے لیے یہ مختصر اشارہ کفایت کرتا ہے۔ جس قدر عالم ہیں سب ایک دوسرے کے محاذی واقع ہوئے ہیں اور بعض نشأۃ دوسروں سے متفرع ہوتی ہے۔

لوگوں کو جس قدر علوم حاصل ہوتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم جس کو جریان عادت میں ادراک کرتے رہتے ہیں، جیسے باریک صنعتوں کی طرف اہتداء (راستہ پانا) اور نئے قسم کے افکار کے لیے استدلال۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ وہ ان کی عادت کو توڑ دیتی ہے۔ اگرچہ حکماء کی جماعت کے نزدیک مقرر یہ ہے کہ ہر موجود کی علت موجبہ ضروری ہے تو نظام کل میں طبیعت کے مطابق فرق بالکل ممکن نہیں۔ یہ فرق عادات کے حساب سے ہے جو عام اذہان میں تربیت کے نتیجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

کشف، رُؤیا اور غیبت

یہ خارق عادات، کئی قسمیں ہیں۔ لطیفہ خیالیہ میں اور یقظہ میں اگر واقع ہو تو اسے اصطلاح مشہور میں "کشف" کہتے ہیں، خواب میں ہو تو اسے رُؤیا کہتے ہیں اور اگر عدم میں ہو تو اسے غیبت کہتے ہیں یعنی ایک حالت ہے جو نوم (نیند) سے ملتی جلتی ہے جس میں حواس تھک جاتے ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ نوم تو طبعی چیز ہے اور یہ تصنع سے پیدا ہوتی ہے، جب ایک مقدس امر کی طرف توجہ کی جائے۔ ان تینوں قسموں کا حاصل ایک ہی ہے۔ اس حیثیت سے کہ یہ ایک مثال مقید میں واقع ہیں اور اس حیثیت سے کہ ان کی عناصر تین چیزیں ہیں:۔

۱۔ العادیات، جو عادی تھیں، اس کا حال یہ ہے کہ مثلاً لوہار بھٹی اور آگ کو دیکھتا ہے اور نئی چیز جو اس کے ذہن میں افاضہ ہوتی ہے وہ اس بھٹے اور آگ کے ضمن میں دیکھتا ہے۔ اور نجار (بڑھئی) آرہ اور لکڑی کو دیکھتا ہے۔

۲۔ المزاجیات، پس دموی (مزاج والا) سُرخ خیالات دیکھتا ہے اور صفراوی زرد اور امر مفاض انھیں کے ضمن میں سمجھتا ہے۔

۳۔ امر مفاض من اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طبیعت، اور یہ اس طرح ہے کہ ہر امر قدسی ہو یا دنسی، اس کے لیے ایک صورت مخصوصہ ہے ہر ہر نشأۃ کے لیے نوع کی خاصیت کے مطابق۔ ان میں سے بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ تعبیر کی محتاج نہیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ تعبیر کی محتاج ہیں۔ اس لیے مُعَبّر کے لیے ضروری کہ وہ ہر ہر نشأۃ کا راز جانتا ہو، عادات اور مزاجیات کو غیر سے پوری طرح تمیز کر سکتا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پینے کی تعبیر دی ہے کہ یہ علم ہے۔ دونوں میں امر جامع غذا پہنچانا اور تربیت کرنا ہے اور رافع بن عقبہ کے گھر میں ابن طاب کے رطب کھانے کی یہ تعبیر دی ہے کہ ہمارا دین ترو تازہ ہوگیا۔ اور رفعت میں ہمارے لیے حسن عاقبت ہے۔ یہ ان تین چیزوں کے تین رنگ ہیں مبصرات کے حساب سے لطیفہ خیالی میں کمال کے درجہ پر اور مسموعات کے حساب سے ایک "الہام" ہے، وہ اس کلام کا نام ہے جو اس کے خیال میں ڈھالی جاتی ہے جب کہ وہ اپنی تمام قوتوں سے اللہ کی

طرف متوجہ ہوتا ہے اور دوسرا "الخاطر"۔ بات سوچنے کے ضمن میں ایک بات ذہن میں آتی ہے، اس کے وجود کے بعد اس پر تنبہ ہوتا ہے۔ اس خاطر میں سے ایک قسم وہ ہے کہ نفس پر اس کا پڑنا بڑا معلوم ہوتا ہے اور فی الحال وہ خیال نفس کا مالک بن جاتا ہے۔

الہاتف | تیسرا الہاتف جو خیال کیا جاتا ہے کہ سن رہا ہے اور حقیقت کا اعتقاد غالب ہوتا ہے جیسا کہ عوام کے لیے یا خصوصیات نشأت کا راز محسوس ہوتا ہے جیسا کہ فاضل اولیاء اللہ کو۔ اور یہاں سونگھنے میں، ذوق میں، لمس میں اس قسم کے مراتب پیدا ہوتے ہیں۔

فراست اور اشراف | وہم پر جو علوم فائض ہوتے ہیں ان کو "فراست" کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک قسم کا نام "اشراف" ہے اور وہ صور منطبعہ فی الاذہان کے ادراک سے خصوصیت رکھتا ہے۔

قوۃ قدسیہ، ذوق، وحی | ادراک پر جو علوم افاضہ کیے جاتے ہیں یہ قوت قدسیہ ہے اور صوفیہ کے مذہب میں سے علم ادنی کہا جاتا ہے اور جس شخص کو فنا فی اللہ حاصل ہوئی اور پھر اس نے کوئی علم حاصل کیا اس کو معرفت کہا جاتا ہے۔ جو علوم اس پر نازل ہوتے ہیں اس کے وجود کے راز سے اس کو ذوق اور حکمت کہتے ہیں۔ اور جو علوم افاضہ کیے جاتے ہیں قرب الفرائض کے واسطہ سے اور فرشتہ کے واسطہ سے وہ وحی کہلاتے ہیں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نفس ناطقہ کے لیے نشأۃ (ایسے موطن جن میں مختلف حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے) ہیں۔ ہر ایک نشأۃ کو ایک خاص نام دیا جاتا ہے تو اس حیثیت سے اس کا وہ خیال وہم اور ادراک سے تلبس ہے اس کو نسمہ کا نام دیا جاتا ہے اور نفس بھی کہا جاتا ہے، یہ قوم کی عام اصطلاح ہے اور اس کے مجرد ہونے کی حیثیت سے (اس کی تربیت کے ساتھ) اصطلاح فلاسفہ میں تو نفس کہلاتا ہے اور اصطلاح قوم میں اسے روح کہا جاتا ہے۔

اور اسے جان لو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو نشأۃ دنیا میں پیدا کی ہے اس سے

ہماری مراد ہے" نشأۃ اجسام"[۱] اور اعراض دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ ہے جس میں اس کے آثار ظاہرہ اور احکام پختگی سے ظاہر ہوئے ہیں اس طرح پر کہ اس کا راستہ اپنی حقیقت سے بالکل بند ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت اس کی وہ موطن ہے جہاں سے ہر کمال علمی اور عملی کا اضافہ ہوتا ہے تو فطرت کے مطابق کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی مگر ایک ناقص حصہ جس میں تلبیسی نکارت کا اختلاط ہے۔

کیا تو نہیں جانتا کہ طب کے عقلمندوں کے ہاں یہ متحقق ہو چکا ہے کہ صفراوی مادہ آگ کی حکایت ہے اور سوداوی مادہ مٹی کی اور دم ہوا کی حکایت کرتا ہے اور بلغم پانی کی۔ تو حکایت کرنے والے اور محکی عنہ میں جو فرق ہے اُسے اچھی طرح پہچان لو۔ کیا صفرا میں جو حرارت اور یبوست ہے وہ نار کے مقابلہ میں برودت اور رطوبت نہیں سمجھی جاتی۔ مگر اس عالم تخلیط میں صفرا کو آگ کی تمثال مانا جاتا ہے اس کو ہم نکارتِ تلبیسیہ کی ایک مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اس میں خوب غور کرو (تجھے رُشد حاصل ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ)

اب دوسری قسم ایسی ہے کہ جس میں اس کے آثار پختگی سے ظاہر نہیں ہوتے اور اس کی حقیقت کی طرف اس کا راستہ بند نہیں ہوا۔ مجھے فطرت کے طور پر اس کے احکام خوب ظاہر ہوئے اس میں کسی اجنبی صورت نے تصرف نہیں کیا۔ گویا کہ وہ جسم دنیاوی اور جسم اخروی میں ایک برزخ کا کام دے رہا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جسم اُخروی تو استعداد ازلیہ پر دہ بنی ہے اور یہ جسم دنیاوی کمالاتِ کسبیہ پر جو اس دنیا میں کسب کیے گئے ہیں۔ پس فرق دونوں میں واضح ہے۔

نشأۃ کمالیہ پس پہلا طبقہ اس امت کا یعنی ان میں صدر اول انبیاء ہیں اور ان کے بعد حکماء ہیں اور ان کا کمال لباس غیر متاکدہ سے انسلاخ ہے اور یہ چیز ان کو

---

[۱] عربی متن میں اَلنَّشْأَۃُ الْاٰخِرَۃ آیا ہے۔ جس کی تفسیر نشأۃ اجسام سے کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشأۃ دُنیا ہے۔ واللہ اعلم۔ غ،م،ق

کسب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ فطرت ہی سے۔ ان لوگوں کا دُوسرے اصناف سے جن کا آگے ذکر ہوگا بہت عریض الاطراف فاصلہ ہے۔ اور جو لوگ نیرنگ کام کر چکے ہیں یعنی موثر حقیقی میں فنا حاصل کر چکے ہیں وہ ہیں اولیاء، اور جن کے اجسام ان کے نفوسِ صافیہ کے ماتحت منقہر ہو چکے ہیں وہ ابرار اور متقین، اور جو لوگ کسب کمال سے بالکل بیٹھ گئے ہیں وہ ہیں اشقیاء۔

(یہ تین جماعتیں انبیاءؑ اور حُکماء کے مقابل طرف واقع ہوئی ہیں)

تمہیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ کمالِ حقیقی وہی ہے جس کو عین حاوی ہے اور یہی عین ثابتہ ہے جو جسم بن گئی اور جسمِ دنیاوی اس کا ایک مظہر بن کر رہتا ہے۔ ان میں سے پہلی کیفیت تو جوہری ہے اور دُوسری مزاجی۔

انسلاخ شاید کہ تیرا جی یہ چاہتا ہوگا کہ انسلاخ، فنا اور صفا کے معنی تجھے بتلائے جائیں اور ان کا فرق واضح کردیا جائے اور "فنا" مقبول اور "صفا" احسن اپنے مقابل سے جُدا کردیا جائے۔

پس جاننا چاہیے کہ ہمارے نزدیک انسلاخ کا مطلب یہ ہے کہ عین ثابتہ اپنے تمثلات پر اس درجہ غالب آجائے کہ تمام تمثلات کالعدم بن جائیں اور وہی شان پیدا کرے جو ازل میں تھی اور اس کے لیے کوئی کمال نہ رہے سوائے وجود کے، یہی وُجود اس کے سمع کا کام دے اور یہی وجود اس کی بصر کا کام دے یہاں تک کہ انتہاء کو پہنچ جائے اور صورتِ متحدثہ قوی ہوجائے گویا کہ وہ جسم اخروی ہے۔